تیسری صدی ہجری کا ایک

مقتدر امام اہل حدیث اور دار و رسن کی آزمائش

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ

تیسری صدی کے اوائل میں جب فتنہ اعتزال وتعمق فی الدین اور بدعت مضلہ وتکلم یا متفلسفہ و الانحراف از اعتصام بالسنہ نے سر اٹھایا اور صرف ایک ہی نہیں بلکہ لگا تار تین عظیم الشان فرماں رواؤں یعنی مامون۔ معتصم اور واثق باللہ کی شمشیر استبداد وقہر حکومت نے اس فتنہ کا ساتھ دیا حتی کہ بقول علی بن المدینی فتنہ ارتداد ومنع زکوٰۃ (بعہد حضرت ابوبکرؓ) کے بعد یہ دوسرا فتنہ عظیم تھا جو اسلام کو پیش آیا تو کیا اس وقت علماء امت اور ائمہ شریعت سے عالم اسلامی خالی ہوگیا تھا؟ غور تو کرو، کیسے کیسے اساطین علم وفن اور اکابر فضل وکمال اس عہد میں موجود تھے؟ خود بغداد علماء اہل سنت وحدیث کا مرکز تھا مگر سب دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔ اور عزیمت و دعوت وکمال مرتبہ وراثت نبوت وقیام حق وہدایت فی الارض والامتہ کا جو ایک مخصوص مقام تھا وہ صرف ایک ہی قائم بامر اللہ کے حصہ میں آیا یعنی سید المجددین امام الصالحین حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ اپنے اپنے رنگ میں سب صاحب مراتب ومقامات تھے۔ لیکن اس مرتبہ میں تو اور کسی کا ساجھا نہ تھا یہ وہ وقت تھا کہ قیام سنت ودین خالص کا قیامت تک کیلئے فیصلہ ہونے والا تھا اور مامون ومعتصم کے جبر وقہر اور بشر مریسی اور قاضی ابن ابی داؤد جیسے جابرہ معتزلہ کے تسلط وحکومت نے علماء حق کے لئے صرف دو ہی راستے باز رکھے تھے۔ یا اصحاب بدعت کے آگے سر جھکا دیں اور مسئلہ خلق قرآن پر ایمان لا کر ہمیشہ کیلئے اس کی نظیر قائم کر دیں کہ شریعت میں صرف اتنا ہی نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتلا گئے بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا اور کہا جا سکتا ہے۔ اور ہر ظن کو اس میں دخل ہے ہر رائے اس پر قاضی وآمر ہے ہر فلسفہ اس کا مالک وحاکم ہے **یفعل مایشاء و یختار** ۔۔ یا پھر قید خانہ میں رہنا ہر روز کوڑوں سے پیٹا جانا۔ اور ایسے تہہ خانوں میں قید ہو جانا کہ "**لا یرون لشمس فیہ ابدا**۔ کو قبول کرلیں۔ بہتوں کے قدم ابتدا ہی میں لڑکھڑا گئے بعضوں نے ابتدا میں استقامت دکھلائی لیکن پھر ضعف ورخصت کے گوشے میں پناہ گیر ہوگئے عبداللہ بن عمر القواریری اور حسن بن حماد امام موصوف کے ساتھ ہی قید کیے گئے تھے مگر شدائد ومحن کی تاب نہ لاسکے اور اقرار کر کے چھوٹ گئے بعضوں نے روپوشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی کہ کم سے کم اپنا دامن تو بچالے جائیں کوئی اس وقت کہتا تھا کہ

"لیس ھذا ازمان حدیث انما ھذا ازمان بکاء وتضرع کدعاء الغریق "یعنی یہ زمانہ درس و اشاعت علوم وسنت کا نہیں ہے۔ یہ تو وہ زمانہ ہے کہ بس اللہ کے آگے تضرع وزاری کرو اور ایسی دعائیں مانگو جیسی سمندر میں ڈوبتا ہوا شخص دعا مانگے"

کوئی کہتا تھا احفظوا لسانکم وعالجوا قلوبکم وخذوا ما تعرفوا ودعوا ما تنکرو"

(اپنی زبانوں کی نگہبانی کرو۔ اپنے دل کے علاج میں لگ جاؤ' جو کچھ جانتے ہو اس پر عمل کئے جاؤ اور جو برا ہو اس کو چھوڑ دو)

کوئی کہتا' ھذا زمان السکوت وملازمة البیوت (یہ زمانہ خاموشی کا زمانہ ہے اور اپنے اپنے دروازوں کو بند کر کے بیٹھ رہنے کا"

جبکہ تمام اصحاب کار وطریق کا یہ حال ہو رہا تھا اور دین الخالص کا بقا و قیام ایک عظیم الشان قربانی کا طلب گار تھا تو غور کرو کہ صرف امام موصوف ہی تھے جن کو فاتح وسلطان عہد ہونیکا شرف حاصل ہوا انہوں نے نہ تو دعات فتن وبدعات کے آگے سر جھکایا نہ روپوشی وخاموشی وکنارہ کشی اختیار کی اور نہ صرف بند حجروں کے اندر کی دعاؤں اور مناجاتوں پر قناعت کی' بلکہ دین خالص کے قیام کی راہ میں اپنے نقش و وجود کو قربان کر دیا اور تمام خلف امت کے لئے ثبات واستقامت علی السنۃ کی راہ کھول دینے کے لئے بحکم "فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل" اٹھ کھڑے ہوئے ان کو قید کر لیا گیا قید خانے میں چلے گئے۔ چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں ڈالی گئیں۔ پہن لیں۔ اسی عالم میں بغداد سے "طرطرس" لے چلے اور حکم دیا گیا کہ بلا کسی کی مدد کے خود ہی اونٹ پر سوار ہوں۔ اور خود ہی اونٹ سے اتریں' اس کو بھی قبول کر لیا بوجھل بیڑیوں کی وجہ سے ہل نہیں سکتے تھے اٹھتے تھے اور گر پڑتے تھے۔ عین رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں جس کی طاعت اللہ کو تمام دنوں کی طاعات سے زیادہ محبوب ہے۔ بھوکے پیاسے جلتی دھوپ میں بٹھائے گئے۔ اور اس پیٹھ پر جو علوم و معارف نبوت کی حامل تھی۔ لگاتار کوڑے اس طرح مارے گئے کہ ہر جلاد دو ضربیں پوری قوت سے لگا کر پیچھے ہٹ جاتا۔ اور پھر نیا تازہ دم جلاد اس کی جگہ لیتا اس کو بھی خوشی خوشی برداشت کر لیا مگر اللہ کے عشق سے منہ نہ موڑا۔ اور راہ سنت سے منحرف نہ ہوئے۔ تازیانے کی ہر ضرب پر جو صدا زبان سے نکلتی تھی۔ وہ نہ تو جزع وفزع کی تھی اور نہ شور وفغاں کی بلکہ وہی تھی جس کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ یعنی القران کلام اللہ غیر مخلوق اللہ اللہ یہ کیسی "مقام دعوت کبریٰ" کی خسروی وسلطانی تھی اور وراثت ونیابت نبوت کی ہیبت و سطوت کہ خود المعتصم باللہ جس کی ہیبت ورعب سے قیصر روم لرزاں وترساں رہتا تھا سر پر کھڑا تھا جلادوں کا مجمع چاروں طرف سے "گھیرے ہوئے تھا۔ اور وہ بار بار کہہ رہا تھا۔

یا احمد! واللہ انی علیک لشفیق و انی لا شفق علیک کشفقتی علی هارون ابنی وواللہ لین اجابنی لاطلقن عنک بیدی

(یعنی واللہ میں تم پر اس سے بھی زیادہ شفقت رکھتا ہوں جس قدر اپنے بیٹے ہارون کے لئے شفیق ہوں۔ اگر تم خلق قرآن کا اقرار کرلو تو قسم خدا کی ابھی اپنے ہاتھوں سے تمہاری بیڑیاں کھول دوں) لیکن اس پیکر حق اس مجسمہ سنت، اس مئوید بالروح القدس، اس صابر اعظم لما صبرا اولو العزم من الرسل کی زبان صدق سے صرف یہی جواب نکلتا تھا۔ "اعطونی شیاءً من کتاب اللہ و سنة رسول حتی اقول به" یعنی اللہ کی کتاب میں سے کچھ دکھلا دو یا اس کے رسول کا کوئی قول پیش کردو تو میں اقرار کرلوں گا۔ اس کے میں کچھ نہیں جانتا۔

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم　　　　نہ شبنم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

اگر اس چراغ تجدید و مصباح عزیمت و دعوت کی روشنی مشکوۃ نبوت سے مستنیر نہ تھی تو پھر یہ کیسا تھا کہ جب معتصم ہر طرح عاجز آ کر قاضی ابن ابی داؤد وغیرہ علماء بدعت و اعتزال سے کہتا "ناظروہ و کلموہ" اور وہ کتاب و سنت کے میدان میں عاجز آ کر اپنے اوہام وظنون باطلہ کو بنام عقل ورائے پیش کرتے کہ سرتا سر یونیات ملعونہ سے ماخوذ تھے۔ تو وہ اس کے جواب میں بے ساختہ بول اٹھتے۔ "ماادری ماھذا" میں نہیں جانتا یہ کیا بلا ہے؟ ایتونی شیاء من کتاب اللہ ومن سنة رسوله حتی اقول به۔ اس کائنات ہستی میں میرے سر کو جھکانے والی صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔ اس کے سوا نہ میرے لئے کوئی دلیل ہے نہ علم

ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم　　　　از ما بجز حکایات مہر و وفا مپرس

امام موصوف کو جب قید کر کے طرطوس روانہ کیا گیا تو ابو بکر الاحول نے پوچھا "ان عرضت علیک السیف تجیب ؟ اگر تلوار کے نیچے کھڑے کر دیئے گئے تو کیا اس وقت مان لوگے؟ کہا نہیں ابراہیم بن مصعب کوتوال کہتا ہے کہ "میں نے کسی انسان کو بادشاہوں کے آگے احمد بن حنبلؒ سے بڑھ کر بے رعب نہ پایا۔ "مانحن فی عینیه الا کامثال الذباب"۔ ہم عمال حکومت انکی نظروں میں مکھیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے۔" اور یہ بالکل حق ہے جن لوگوں کی نظروں میں جلال الٰہی سمایا ہو وہ مٹی کی ان پتلیوں کو جنہوں نے لوہا تیز کر کے کاندھے پر ڈال رکھا ہے یا بہت سا سونا چاندی اپنے جسم پر لپیٹ لیا ہے کیا چیز سمجھتے ہیں ان کو تو خود اقلیم عشق الٰہی کی سروری و شاہی اور شہرستان صدق و صفا کا تاج و تخت حاصل ہے۔

مبیں حقیر گدایان عشق را کیں قوم　　　　شہاں بے کمر و خسرواں بے کلہ اند!

ابوالعباس الرقی سے حافظ ابن جوزی روایت کرتے ہیں کہ جب رقہ میں امام موصوف قید تھے تو علماء کی ایک جماعت گئی اور اس قسم کی روایات ونقول سنانے لگی جن سے بخوف جان "تقیہ" کر لینے کی رخصت نکلتی ہے۔ امام موصوف نے سب سن کر جواب دیا۔

"کیف تصنعون بحدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم ؟ ان من کان قبلکم کان ینشر احدھم بالمنشار ثم لا یصدہ ذالک عن دینہ . قالوا فیننا منہ"

یعنی یہ تو سب کچھ ہوا۔ مگر بھلا اس حدیث کی نسبت کیا کہتے ہو کہ جب صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مظالم وشدائد کی شکایت کی تو فرمایا تم سے پہلے ایسے لوگ گزر چکے ہیں جن کے سروں پر آرہ چلایا جاتا تھا اور جسم لکڑی کی طرح چیر ڈالے جاتے تھے۔ مگر یہ آزمائشیں بھی ان کو حق سے نہیں پھرا سکتی تھیں۔ ابو العباس کہتے ہیں کہ جب ہم نے یہ بات سنی تو مایوس ہو کر چلے آئے کہ ان کو سمجھانا بیکار ہے یہ اپنی بات سے پھرنے والے نہیں"

یہ جو میں بار بار کہہ رہا ہوں کہ "عزیمت ودعوت عزیمت ودعوت" تو یہ ہے عزیمت ودعوت اور یہ ہے وراثت ونیابت مقام فاصبر کما صبرا ولوالعزم من الرسل" کی اصل تصویر اور یہ ہے خاصہ مرتبہ عظیمہ۔ "من یجد دلھا دینھا "کا۔ اور یہ ہے ان ایام فتن کا صبر اعظم واکبر جن کی نسبت ترمذی کی روایت میں فرمایا "الصبر فیھن کالقبض علی الجمر"

تو یہی وہ لوگ ہیں جو اگر چاہیں تو گوشہ رخصت وبیچارگی میں امن وعافیت کے پھول چن سکتے ہیں لیکن وہ پھولوں کو چھوڑ کر دہکتے ہوئے انگارے پکڑ لیتے ہیں اور اسی لئے ان کا اجر وثواب بھی "مثل اجر خمسین بعلا یعملون مثل عملکم " کا حکم رکھتا ہے

مانا کہ ضعیفوں اور درماندوں کے لئے رخصت وگلوخلاصی کی راہیں بھی باز رکھی گئی ہیں لیکن اصحاب عزائم کا عالم دوسرا ہے۔ ان کی ہمت عالی بھلا میدان عزیمت واستباق بالخیرات کو چھوڑ کر تنگنائے رخصت و ضعف میں پناہ لینا کب گوارا کر سکتی ہے؟ جوانان ہمت اور مردان کارزار اس ننگ کو کیوں قبول کرنے لگے کہ کمزوروں اور درماندوں کی لکڑی کا سہارا پکڑیں؟ جن کے لئے اس میں سلامتی ہے ہوا کرے۔ مگر ان کے لئے تو ایسا کرنا ہمت کی موت ہے۔ ایمان کی پامالی ہے اور عشق کی جبین عزت کے لئے داغ ننگ وعار سے کم نہیں "حسنات الابرار سیئات المقربین" اور اعلیٰ وادنیٰ کا امتیاز اصحاب عمل کے لئے ہے۔ نہ کہ اصحاب عشق کے لئے عشق کی راہ ایک ہی ہے۔ اور اس میں جو کچھ ہے عزیمت ہی عزیمت ہے۔ ضعف وبیچارگی کا تو ذکر ہی کیا؟ وہاں رخصت کا نام لینا بھی کم از معصیت نہیں۔ "کماقال بعض المحبین العارفین"